عرفان استاد شہید مطہری کی نظر میں

ڈاکٹر سید عبدالحمید ضیائی

استاد مطہری کا شمار ایران کے عظیم علماء ومفکرین میں ہوتا ہے۔زیرنظر مقالے میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ عرفان وتصوف کے بارے میں استاد شہید مطہری کے عقاید ونظریات کو وضاحت کے ساتھ پیش کردیا جائے۔جس کی روشنی میں عرفان کے سلسلے میں ان کے رویے کی ترجمانی ہوجائے۔ استاد مطہری کو معاصر ایرانی معاشرہ میں ایک عظیم مفکر ومعتبر عالم کی حیثیت سے دیکھے جانے کے ساتھ ساتھ ایران میں ان کے عرفانی نظریات کو آج بھی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔اس مقالہ کی تیاری میں استاد مطہری کی تصانیف کا سہارا لیا گیا ہے۔

استاد شہید مطہری کی شخصیت اور ان کے افکار کا جو خاکہ آج ایرانی عوام وخواص کے ذہن میں موجود ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک فلسفیانہ اورحکیمانہ شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی بیشتر تصانیف کو اسی زاویہ سے دیکھا جاتا ہے۔ جب ان کی کتابوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے، تو یہ واضح ہوجاتا ہے کہ ان کے اکثر افکار وعقاید کا انحصار عقل ومنطق پر ہے، حتیٰ کہ ان کے دینی تمایلات ورجحانات پر بھی عقل وخرد کی گہری چھاپ نظر آتی ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ استاد شہید مطہری عقل وخرد کی محدودیت ہی میں گرفتار رہے اور دوسرے علوم اور زندگی کے گوناگوں میدانوں میں ان کی نگاہیں عقل وخرد کی اس جولانگاہ سے باہر قدم نہ رکھ سکیں۔ ان کی نظر وسیع ، ان کی فکر متنوّع اور گوناگوں ابعاد کی حامل رہی ہے۔عمر کے آخری حصے میں ان کے عرفانی افکار وخیالات کی گونج بھی ہمیں اپنی طرف متوجہ کرتی ہے۔جس کی گرانقدر مثالیں ان کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔

شہید مطہری کا ذہن ، اور ان کا قلم فلسفہ وعرفان اور عقلی شہودی حکمت کے وسیع میدان کے ہرگوشے سے آشنا تھا۔ ان کی کتابیں ان کے بے پناہ علم وادراک کی شاہد ہیں۔ چونکہ فلسفے اور حکمت کی وادیوں کی سرحدیں بڑی حد تک ایک دوسرے سے مل جاتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ شہید مطہری کے یہاں دونوں کی گونج ساتھ ساتھ سنائی دیتی ہے۔ استاد نے ان دونوں کو سماج کی ترقی میں مددگار سمجھا ہے۔ انہوں نے ان دونوں راستوں کو معرفت الٰہی کے لئے مفید اور قابل قدر گردانا ہے۔ حتیٰ کہ وہ

تصور کرتے تھے کہ ان میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا ، علمی ومعرفتی لحاظ سے بے معنی ہے۔ آپ نے فلسفہ وعرفان کو ایک دوسرے کا تکملہ سمجھا چنانچہ عرفاء بھی اس استدلال کی اہمیت سے انکار نہیں کرتے۔

عرفان کے بارے میں شہید مطہری کے نظریات اور ان کی ترجیحات کو ان کی کتابوں سے اخذ کیا جاسکتا ہے۔ اورضرورت بھی ہے کہ ان کے اس نوعیت کے افکاروعقائد کو آج کی نئی نسل کے سامنے پیش کیاجائے۔ اس طرح ہم عرفان اور ان کے فکری اصول ومعیار کو بھی واضح کرسکتے ہیں ۔ ان کی تحریروں سے عرفان، عرفانی ادب اور ان شعبوں سے وابستہ اشخاص کے بارے میں گرانقدر معلومات کوفراہم اور یکجا کیا جاسکتا ہے جواستاد کی شخصیت کے اس پہلو کو اجاگر کرنے میں ممدومعاون ہوسکتی ہیں جن پر ابھی تک پردہ پڑا ہوا ہے۔

زندگی کے آخری ایام میں شہید مطہری کا عرفان کی طرف زیادہ مائل ہونا اور اس کی وجہ سے ان کی زندگی اورطرز فکر میں انقلاب کا رونما ہونا ، بڑی اہمیت کا حامل ہے ۔ اس پہلو کو سمجھے بغیر ہم ان کی زندگی کے مکمل حالات سے واقف نہیں ہوسکتے۔ استاد اصل اسلامی عرفان کے قائل اور اس کی آزادانہ حیثیت ، اصلیت، اور اس کی بے پناہ وسعتوں کے معترف تھے۔ اس لیے ضروری ہے کہ عرفان اسلامی کی اصلیت ، اس کی آزادانہ حیثیت اور جامعیت کی وضاحت کی جائے۔

آپ کا اعتقاد تھا کہ تکامل کے راز کو انسانی ''فطرت'' میں تلاش کیا جانا چاہئے۔ وہ عرفان جس کے بارے میں استادشہید مطہری نے اپنے عقائد کا اظہار کیا ہے،اس کا اصل سرچشمہ قرآن ، حدیث، آئمہ معصومین علیہم السلام کی علمی وعملی سیرت ہے۔ وہ فطرت کو ام المعارف قرار دیتے ہیں۔ فطرت انسانی جس معرفت کی تلاش میں ہمیشہ گرداں رہتی ہے، اس عرفان کی حقیقت ونوعیت ہی دوسری ہے۔ اس قسم کا عرفان ایک انسان کو خدا شناسی اور اس کی مخلوق کا درد عطا کرتا ہے، وہ جس طرح اپنے سے باہر کی طرف متوجہ ہوتا ہے ، اسی طرح خود اپنے اندر بھی جھانکنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ اس کے پیش نظر استادشہید مطہری عرفان کے طفیل میں حاصل ہونے والی خودآگاہی کا ذکر کرتے ہیں ۔یہی خودآگاہی ہمیں سیروسلوک کی وادی کے رازوں سے آشنا کرتی ہے اورعرفان عملی ہمیں مقام توحید کی طرف توجہ کرنے پر مائل کرتا ہے۔ اس طرح خود اپنی معرفت، اپنا احتساب اور اپنے آپ پرتوجہ رکھنا اسلامی عرفان کا اصل سرمایہ ہے۔

استاد شہید مطہری کی نظر میں تہذیب نفس، تزکیہ اور طہارت کے ذریعہ حق، اسماء اور صفات الٰہی کی شناخت کا نام عرفان ہے، جو سیر وسلوک کے راستے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس کے ذریعے عالم اور آدم، یا دنیا کی مخصوص تفسیر کی جاتی ہے۔ ایک عارف اس طریقے سے دنیا کو حق کا جلوہ اور اسمائے حسنائے الٰہی کا مظہر سمجھتا ہے۔ توحید عارف کے سیر وسلوک کی آخری منزل ہے۔ یہ وہ توحید ہے جو اصل ذات حقیقی وجود کو خدا پر منحصر سمجھتی ہے اور ماسوای الٰہی کو اس وجود و کی تجلیات، یعنی اگر حکمت وفلسفے میں ''بود ونبود'' اور اخلاق میں ''باید ونباید'' کی بحث کی جاتی ہے تو عرفان میں ''بود ونمود'' کی گفتگو ہوتی ہے۔ ہستی کی عرفانی تفسیر میں وجہہ الٰہی اور معنوی کو اصل وجہ حقیقی سمجھا جاتا ہے۔ اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ عرفان میں خدا اور انسان کامل یعنی توحید اور موحد کی بات کی جاتی ہے۔ اسی کو شہود توحید یا توحید شہود کا نام دیا جاتا ہے۔ ایک سالک کو لازمی طور پر سیر وسلوک کی وادی میں اس مقام پر پہنچنا چاہئے۔ استاد شہید مطہری کی تعبیر یہ ہے کہ ایک عارف کی توحید یہ ہے کہ وہ ایسے طریقے سے اس مقام تک پہنچے جہاں وہ سوائے خدا کے اور کچھ نہ دیکھے۔

استاد شہید مطہری نے عرفان کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک عرفان عملی اور دوسرا عرفان علمی۔ ان دونوں کے بارے میں عرفان اور تہذیب اور تصوف وسماج کے تناظر میں گفتگو کی جاسکتی ہے۔ علمی عرفان اور اخلاق میں بہت سی چیزیں مشترک ہیں اور بعض اختلافات بھی ہیں، جبکہ عملی عرفان کو تصوف کی زبان میں سیر وسلوک سے تعبیر کیا جاتا ہے، یعنی سالک انسانیت کی معراج یعنی قرب توحید تک پہنچے کے لئے مختلف مراحل ومنازل سے گذرے۔ فہم وطریقت میں مراحل ومقامات جیسے وہ کیا کرے، کیا حالات اس کو درپیش آتے ہیں، اس کے وادرات قلبی کیا ہیں، ان کی کیفیت کیا ہے اور وہ کیا وظائف پڑھے اور کس نوعیت کے مراقبے کرے، اہمیت کے حامل ہیں۔ سالک کو راہ ورسم سے مکمل طور پر واقف ہونا چاہئے۔ ان مراحل ومنازل سے گزرنے کے لئے ایک انسان کامل، خضر راہ، پیر طریقت اور طائر قدس کی رہنمائی کی ضرورت پیش آتی ہے، تاکہ وہ سلوک میں گمراہی کے خطرات سے محفوظ رہ سکے اور منزل مقصود تک پہنچ سکے۔ درحقیقت عملی اور علمی عرفان میں ایک طرح کا تعامل وتوافق برقرار ہے، جو یہ عرفانی سیر وسلوک میں ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ استاد شہید مطہری نے اس پہلو پر بہت زور دیا ہے۔ ہم یہاں لازمی سمجھتے ہیں کہ استاد کی نظر میں عرفان وفلسفہ اور عرفان واخلاق میں جو یکسانیت یا فرق موجود ہے، اس کا بھی ذکر کریں۔

استاد مطہری کا عقیدہ ہے کہ عرفان نظری چونکہ ہستی کی تفسیر بیان کرتا ہے ، خدا ،دنیا اور انسان سے بحث کرتا ہے، جیسا کہ فلسفہ الٰہی کا کام ہے ، اس لیے اس میں مختلف موضوعات اور مسائل سے سابقہ پڑتا ہے ۔ آپ کا یہ بھی ماننا ہے کہ عرفانی نوعیت کے استدلال میں عرفانی ،کشفی اور ذوقی سرچشموں سے استفادہ کیا جاتا ہے ۔ دوسرے الفاظ میں فلسفیانہ تعبیر سے کام لیا جاتا ہے ، اس لئے فلسفہ اور عرفان میں بعض باتیں مشترک ہیں۔ اس کے باوجود ان دو میدانوں میں امتیازات بھی ہیں:

۱۔بینش کے میدان میں اختلاف اور فرق ہے۔

۲۔طریق کار اور روش میں اختلاف ہے۔

بینش سے مراد یہ ہے کہ عارف کی نظر میں صرف خدا اصل ہے ۔ اس کے علاوہ سب اس کے نمود ومظاہر ہیں۔ عرفان میں شخصی وجود کی وحدت یا مظاہر کی ذات کے وجود پر یقین کیا جاتا ہے۔ اس کے بر خلاف فلسفے میں خدا اور غیر خدا اصل چیز اور خدا واجب الوجود اور قائم بالذات ہے اور غیر خدا ممکن الوجود ، قائم بالغیر اور واجب الوجود کا معلول ہے۔

عارف اپنی بینش میں، شہود حقیقت تک پہنچ جاتا ہے اور قرب الٰہی کے سایہ میں خدا کی ذات میں فنا کے مقام تک رسائی حاصل کرلیتا ہے، یہ سب کچھ اسے سیر وسلوک سے حاصل ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف ایک فلسفی اپنی بینش میں یہ کوشش کرتا ہے کہ وہ دنیا کو سمجھے اور اس کے ذھن میں دنیا کی ایک مکمل اور جامع تصویر مرتسم ہوجائے،یعنی عرفانی بینش میں سلوک وشہود یا ''ہوجانے'' کی بات کی جاتی ہے اور فلسفیانہ بینش میں،''پہچاننا اور سمجھنا'' اصل مقصد ہے۔ جہاں تک ذرایع اور طریقوں کی بات ہے وہاں بھی عرفان وفلسفے میں فرق ہے۔ عرفانی طریقہ سلوک کا ہے، جو تزکیہ وتہذیب نفس اور باطنی نورانیت سے وابستہ ہے۔ فلسفیانہ طریقہ عقل واستدلال وبرہان پر منحصر ہے۔ عارف اپنا مقصد قلب و دل کے راستے سے حاصل کرتا ہے اور ایک فلسفی اپنی منزل تک پہنچنے کے لئے عقل وذہن کا سہارا لیتا ہے ۔ اسی لئے فلسفہ اور اس کے مسائل کی افہام وتفہیم کے ضمن میں استاد مطہری کا فرمانا ہے کہ: جب تک ہم ذہن کو نہیں پہچانتے، اس وقت تک فلسفہ کو نہیں پہچان سکتے۔

عرفانی مباحث کا دارومدار وہ چاہے عملی عرفان ہو یا علمی عرفان ، دل ، راہ قلب اور فطرت قلبی کی شناخت پر ہے۔ اس وجہ سے حکمت وعرفان کے ذرایع کو واضح کرنے کے لئے استاد مطہری نے لکھا ہے :

فلسفی کے ذرایع عقل منطق اور استدلال ہیں لیکن عارف مجاہدہ، تصفیہ، تہذیب باطن میں حرکت وجدوجہد سے کام لیتا ہے۔

استاد شہید مطہری نے فلسفہ اور حکمت اشراق وحکمت متعالیہ میں نظریات کے فرق کو بھی واضح کیا ہے اور اس سے مفصل بحث کی ہے۔ یہ خود ایک وسیع دنیا ہے، جس کا سمجھنا ضروری ہے۔ استاد نے آخر میں حکمت وعرفان میں فرق پر ایک جامع نوشتہ تحریر فرمایا ہے کہ:

حکمت الٰہی میں معرفت خداوندی خاص مقصد نہیں، بلکہ اصل مقصد نظام ہستی کا سمجھنا ہے، جس حالت میں وہ موجود ہے۔ ایک حکیم کی معرفت جو اس کا اصل مقصد ہے، ایک نظام تشکیل دیتی ہے، البتہ معرفت خداوندی اس نظام کا ایک اہم رکن ہے، لیکن عرفان کی نظر میں ، مقصد صرف معرفت اسلام کی ہے۔ عرفان یہ کہتا ہے کہ اللہ کی معرفت ہی سب چیزوں کی معرفت ہے۔ ہمیں معرفت خداوندی کے سایہ میں تمام چیزوں کو سمجھنا چاہئے۔ اور تمام چیزوں کی معرفت ،اللہ کی معرفت کی فروعات ہیں۔

استاد شہید مطہری اخلاق کو عملی عرفان کا مقدمہ سمجھتے ہیں اور عملی عرفان کے حصے کو اخلاق اور علم اخلاق کی مانند قرار دیتے ہیں ۔ یہ دونوں انسان کے خدا سے اور خود انسان سے روابط اور '' کیا کیا جانا چاہئے اور کیا نہیں کیا جانا چاہئے'' اور یہ کام انجام دینے کے لئے طریقوں سے بحث کرتے ہیں۔ یہ درحقیقت عرفان و اخلاق کی وجہ مشترک ہے۔

استاد شہید مطہری نے اخلاق وعرفان میں فرق مراتب سے بھی بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ:

عملی عرفان خدا سے انسان کے رابطہ پر بحث کرتا ہے۔ اس میں انسان ، اور خود عرفان کے روابط سے بحث کی جاتی ہے ۔ انسان وخدا کے درمیان رشتے کی بحث اخلاق کے تمام نظاموں میں موجود ہے، لیکن دینی ومذہبی اخلاق کے نظاموں میں ہی اس پہلو پر زیادہ توجہ مبذول کی گئی ہے۔

عرفانی سیر وسلوک متحرک ہے، یعنی ان کا انحصار منازل پر ہے۔ اس میں مراحل ومقامات سے گذرا جاتا ہے۔ یہاں منازل ومقامات کے درمیان علی ومعلولی نوعیت کا رشتہ برقرار ہے، لیکن اخلاق میں اس نوعیت کا رشتہ موجود نہیں۔ اخلاق ساکت وساکن ہے ۔ یہاں آغاز وانجام ، مراحل ومقامات کی گفتگو نہیں کی جاتی۔ اس وجہ سے عرفان میں '' صراط'' اور طریقت میں تربیت منازل کی بحث موجود ہے جبکہ اخلاق میں یہ نظام موجود نہیں۔

اخلاق کے روحانی عناصر ایسے معنی ومفاہیم میں محدود ہیں کہ ان میں سے زیادہ تر ہمارے لئے اجنبی نہیں، لیکن عرفان کے روحانی عناصر وسیع تر اور ان کا میدان زیادہ پھیلا ہوا ہے۔ عرفانی سیر وسلوک میں واردات احوال ، کشف وشہود اور عرفانی تجربات کا ایک سلسلہ موجود ہے، جس کا تعلق سالک راہ سے ہے اور دوسرے لوگ اس سے بے خبر اور بے بہرہ ہے۔

ایک بہت بنیادی سوال قدیم دور سے پوچھا جاتا رہا ہے جو آج بھی موجود ہے اور اس کا جواب دینے میں مفکر ، مورّخ، حکماء، عرفااور فقہا سب ہی مصروف رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ عرفان کو دین سے اور خاص طور پر عرفان کی اسلام سے کیا نسبت ہے؟ اس سوال کا صحیح اور جامع جواب دوسرے بہت سے سوالات اور شبہات کا ازالہ بھی کرسکتا ہے ۔ مثال کے طور پر آیا عرفان دینی کا کوئی وجود ہے یا نہیں؟ آیا عرفان اسلامی کوئی چیز ہے یا نہیں؟ یا یہ سوال کہ عرفان بنیادی طور پر دین ومذہب سے ماورا کوئی چیز ہے، جو ادیان کے قالب میں سما نہیں سکتا یا یہ سوال کہ آیا دین ومذہب سے علاحدہ بھی عرفان کا وجود ہوسکتا ہے؟ یعنی کیا عرفان غیر دینی یا الحادی ہے ؟ مختلف اسلامی فرقوں اور مشرب کے لوگوں میں اس سلسلہ میں سخت اختلافات پائے جاتے ہیں ،لیکن اس ضمن میں استاد شہید مطہری کا ایک خاص عقیدہ ہے، جسے انہوں نے کمال شجاعت وصراحت سے بیان کردیا ہے ۔ وہ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

ایک علم جس نے اسلامی تہذیب کی آغوش میں جنم لیا ، پلا، بڑھا اور تکمیل کے مراحل طے کئے، وہ علم عرفان ہے ، یعنی استاد عرفان کی جائے پیدائش، اس کا مکمل ہونا ، اس کا رشد ونمایاں ہونا ، امور کو اسلامی تہذیب وتمدن کی دین سمجھتے ہیں ۔ وہ کہتے ہیں کہ عرفان عملی اور نظری میدانوں میں مقدس دین اسلام سے مربوط ووابستہ ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اسلام دوسرے دین اور مذہب بلکہ دوسرے تمام ادیان ومذاہب کے مقابلے میں اس بات پر زیادہ زور دیتا ہے کہ انسان کے خدا سے ، دنیا سے اور خود اپنے آپ سے ،کیا روابط ہیں۔ اسلام ان روابط کو بیان کرتا ہے اور اسی طرح ہستی کی تفسیر اور توضیح بھی کرتا ہے۔

استاد شہید مطہری نے عرفان واسلام کے رابطہ پر بھی اظہار خیال کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ : اسلامی عرفاء یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ وہ کوئی ایسی بات کہہ رہے ہیں جو اسلام سے ماورا ہے ۔وہ اس طرح کی نسبت سے بہت دور ہیں اور اسے برا سمجھتے ہیں ۔ اس کے برعکس وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انہوں نے اسلامی حقائق کو دوسروں سے زیادہ جانا ہے اور واقعی مسلمان وہ ہیں۔ عرفاء نے عملی اور

علمی میدانوں میں، ہمیشہ کتاب وسنت و سیرت نبوی اور ائمہ و اکابر صحابہ سے استناد کیا ہے ۔ عرفان اسلامی کے اوّلین سرچشمے اور اس کا مواد استاد مطہری کی نظر میں اسلام اور اسلامی تہذیب وتمدن ہے۔ یہ عالم وجود واسلامی ہستی کی شناخت کے معاملات میں جلوہ گر ہے۔ خدا سے انسان کا رشتہ، انسان کا خود اپنے آپ سے رشتہ، انسان کا سماج سے رشتہ اور انسان کا دنیا سے رشتہ، ان امور پر عملی ونظری حیثیت سے اسلامی مکتب وتہذیب میں نہایت خوبی اور جذبے کے ساتھ اظہار خیال کیا گیا ہے۔ اسلامی رجحانات اور اسلامی تہذیب کی سطحیں ہی باطنی اور عرفانی سطحیں ہیں۔ عرفاء نے اسلامی تعلیمات اور اسلامی متون وبطون سے ان کا استخراج کیا ہے۔ آپ نے اس سلسلے میں فرمایا ہے کہ اسلامی محدثین وفقہا کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ عارف اسلام کے پابند نہیں، عرفان کا کتاب وسنت سے استناد عوام فریبی ہے ۔ اس گروہ کی نظر میں عرفان کو اسلام سے کوئی ربط ونسبت نہیں۔

دوسرا گروہ جو معاصر متجددوں پر مشتمل ہے، کہتا ہے کہ عرفان وتصوف اسلام وعربوں کے خلاف ایک تحریک ہے جو معنویت کے پردے میں چلائی جارہی ہے ۔ ان کا خیال ہے کہ عرفان ایک ایسی وارداتی اور اجنبی تحریک ہے، جو اسلام ومسلمانوں کی مخالفت میں جاری ہے۔ استاد شہید مطہری کا عقیدہ ہے کہ پہلا گروہ اسلام کی اور عام مسلمانوں کی بنیاد پر عرفاء اور عرفان کی مخالفت کرتا ہے۔ دوسرا گروہ بعض عرفاء کی شخصیت کو لے کر اسلام سے نبرد آزما ہوجاتا ہے ۔ یہ اسلام کے گہرے اور ظریف افکار وخیالات کی بھی مخالفت کرتا ہے۔

ایک گروہ اعتدال پسندوں کا ہے۔ یہ بے طرفی سے کام لیتے ہیں۔ یہ بعض عرفانی نظریات خاص طور پر عملی تصوف کی مخالفت کرتے ہیں ،جس کے نتیجے میں فرقہ بازی ، بدعات ، اور اصل اسلام سے انحراف وجود میں آئے ہیں۔ لیکن ان کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ عرفاء اسلامی تہذیب کے مختلف فرقوں اور اسلام کے بیشتر طبقات کی مانند اسلام سے نہایت خلوص کا رشتہ رکھتے ہیں اور ان کی نیت میں کوئی فتور نہیں۔

استاد شہید مطہری نے تیسرے نظریئے کو دو حصوں میں قبول کیا ہے:

ایک حصہ وہ ہے جو اسلامی تہذیب کی گہرائیوں اور باطنی معارف سے تعلق رکھتا ہے اور جسے عرفان کا نام دیا گیا ہے۔ دوسرا وہ حصہ ہے جو بعض عرفاء کے عرفانی نظریات اور عرفاء کے بعض فرقوں کی کارکردگی اور ان کے اعمال سے تعلق رکھتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ:

عرفان، اسلامی معارف وتہذیب وتمدن کے میدانوں میں ایک ہے۔ اس سے غفلت نہیں برتنی چاہئے۔ مقدس دین اسلام کی باطنی سطوح، اصلی اور خالص اسلامی عرفان میں جلوہ گر ہوئی ہیں۔ اس کے باوجود عارفوں کا عمل اور عرفاء وتصوف کی کارگردگی پر تنقید کی جاسکتی ہے۔ بہرحال عارفوں کے نظریات کی کتاب وسنت اور اصلی اسلامی تہذیب اور عرفان وتصوف کی کارگردگی میں مطابقت کا تجزیہ اور اس کا اندازہ صرف وہی لوگ لگائیں جو اس میدان کے ماہر ومتخصص اور کارشناس ہیں۔

استاد مطہری کا نظریہ ہے کہ اسلامی عرفان نے اپنا اصلی مواد اسلام سے اخذ کیا ہے۔ عرفا نے ان کے لئے اپنے ضوابط و اصول وضع کئے ہیں۔ عرفان بتدریج اسلامی تہذیب میں پروان چڑھا اور مکمل ہوا۔ عرفانِ نظری اور عملی کی تفسیر اور ان کے حصول اور ترقی میں بعض دوسرے عوامل بھی کارفرما رہے ہیں، جیسے کلامی وفلسفی افکار پر اشراقی فلسفہ کے خیالات نے خاص طور پر اپنا اثر ڈالا ہے۔ استاد مطہری نے بعض فقہاء کے عرفان پر نظریات اور اس کی نفی کے بارے میں لکھا ہے کہ:

حقیقت یہ ہے کہ اس گروہ کا نقطۂ نظر کسی بھی طرح قابل قبول نہیں۔ اوائل کے اسلامی نظریات اس قدر غنی اور وسیع ہیں کہ یہ گروہ اپنی نادانی کی وجہ سے اس کو سمجھ نہیں سکے۔ توحید اسلامی بھی اس قدر سادہ نہیں جیسا کہ اس گروہ نے فرض کرلیا ہے۔ اسی طرح انسان کی معنویت بھی اسلام میں صرف خشک زہد پر نہیں ہے، اور حضور اکرمؐ کے نیک صحابہ بھی اس قسم کے نہیں تھے۔ اسلامی آداب محدود نہیں ہیں۔ اسلامی تعلیمات نے گہرے معارف کے ایک سلسلے کو سرشار کیا ہے۔

استاد مطہری نے اس سلسلے میں قرآنی آیات پیش کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

ظاہر ہے اس قسم کی آیات، افکار وخیالات کو برتر اور عالی تر توحید کی طرف مائل کرتے ہیں اور یہ، بقول استاد، توحید عوام سے مختلف ہے۔ اس صورت حال کے پیش نظر نکلسن اور میسی تیون جیسے افراد نے، جن کا اسلامی عرفان کا مطالعہ وسیع ہے اور جو اسلام سے بھی بیگانہ نہیں ہیں، یہ اعتراف کیا ہے کہ عرفان اسلامی کا اصل سرچشمہ قرآن وسنت ہے۔

استاد شہید مطری نے عرفان اسلامی کے ہر پہلو پر نظر ڈالی ہے۔ ہر مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے اور کامیاب کوشش کی ہے کہ وہ عرفان کے ان تمام پہلوؤں پر اظہار خیال کریں جو باعث اختلاف رہے ہیں اور جن کی وضاحت میں خود عارف وغیر عارف سرگردان رہے ہیں۔ ایسے ہی مسائل میں ''وحدت الوجود'' بھی ہے۔ استاد کا قول یہ ہے کہ وحدت الوجود کو لوگ سمجھ ہی نہیں سکے۔ اسی وجہ

سے اس کی مختلف علماء ودانشمندوں نے مختلف نوعیت کی تعریفیں کی ہیں ، جس کی وجہ سے ''وحدت الوجود'' ایک اختلافی مسئلہ بن گیا ہے ۔ استاد نے اس ضمن میں لکھا ہے کہ وحدت الوجود میں حلول واتحاد کی کوئی گنجائش نہیں اور منصور حلاّج کے ''انا الحق '' میں بھی نہ اتحاد ہے اور نہ حلول۔

استادمطہری نے عرفان میں ماوراء الطبعی مفاہیم پر بھی اظہار خیال کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ایک عارف کا کمال یہ ہے کہ وہ خدا تک پہنچنے کو افضلیت دے، نہ کہ اُسے سمجھنے کو۔ اور یہ رسائی اس وقت ممکن ہے جب ایک شخص منازل ومراحل کے سلسلے سے گذرے جسے عرفان میں ''سیروسلوک'' کہتے ہیں ۔استاد نے ریاضت مجاہدہ، عشق ومحبت ، عشق مجازی اور عشق حقیقی وغیرہ عرفانی موضوعات پر بھی روشنی ڈالی ہے اور ان امور کی وضاحت میں اپنے کمال علم ومشاہدہ کا مظاہرہ کیا ہے۔

استادشہید مطہری کی اپنی زندگی بھی ایک عارف کی زندگی تھی۔ وہ ہر روز حتی کہ سفر میں بھی طلوع فجر سے دو گھنٹے پہلے بیدار ہوتے اور عبادت میں مشغول ہوجاتے۔ کبھی کبھی مشغولیت کی وجہ سے رات میں دیر سے سوتے ،لیکن صبح کی اس عبادت کے معمول میں کوئی فرق نہ آتا۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب ایک شخص حضرت حق کے ساتھ عشق وانس کے سائے میں زندگی گذارے۔ رہبر معظم حضرت آیت اللہ خامنہ ای، استادشہید مطہری کے دوست وہم فکر ہیں۔ آپ نے استاد مرحوم کے بارے میں فرمایا کہ وہ ایک عبادت گذار انسان تھے، اہل تصفیہ وتزکیۂ اخلاق وروح تھے۔ جب آپ مشہد آتے تو ہمارے گھر اکثر آجاتے اور کبھی کبھی اپنی بیگم کے رشتے داروں کے گھر بھی جاتے۔ مجھے یاد ہے کہ آپ ہر رات ، آدھی رات تک بیدا ر ہوکر تہجد پڑھتے اور اپنے رب کے حضور میں گریہ وزاری کرتے تھے۔ یہ گریہ وزاری اور مناجات اس قدر بلند آواز میں ہوتی تھی کہ گھر کے افراد جاگ جاتے تھے۔